طاہرہ صدیقہ *

پُرانے زمانوں میں جینے والا شاعر مُعین نظامی
(متروک، ایک جائزہ)

معین نظامی
متروک
لاہور: نگارش پبلشرز، ۲۰۱۰ء
صفحات: ۱۷۶

مُعین نظامی کے فن کا معجزہ بھی اُن کے خونِ جگر سے نمود پاتا ہے، اُنھوں نے خود کو ذاتی اور اجتماعی دُکھوں کا خوگر بنا رکھا ہے۔ اِن کی نظموں میں انسان کا شیرازۂ حیات مجموعی طور پر انتشار کا شکار ہو چکا ہے۔ اُس کی صُبحیں برہنہ پا اور شاموں کے ہاتھ بالکل خالی ہیں۔ اُن کی نظم ''آخری طلب'' میں یہ کیفیات واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں:

میری سوچ غیر واضح
مری بات نامکمل
مرا کام ریزہ ریزہ
مری ساعتیں معطّل
مری صُبح پا برہنہ
مری شام خالی ہاتھ

مری آنکھ پر مُسلّط
مرے ذہن پر مُصوّر
مرا جشن پائے مالی
مری آخری طلب ہے
مرا حُجرۂ مُقفّل (۱)

یہاں آخری طلب مُقفّل حُجرے میں قیام کی ہے شاید حُجرے کے بیرون کا منظر حُجرے کے اندرون سے بھی زیادہ مُنتشر ہے یا پھر یہ شاعر کی اپنے اندرون میں بسرام کی ازلی آرزو ہے جو خارج سے زیادہ رغبت نہیں رکھتی ہے۔

صوفیا کے سلسلے سے تعلّق رکھنے والے اندروں بیں مُعین نظامی کہنے کو آج کے دور کے شاعر ہیں، مگر وہ صدیوں پُرانے زمانوں میں جیتے ہیں۔ اپنے اس تجربے کی لذت کی بابت بتاتے ہیں:

مری صُحبتیں بیش تر اُن اکابر سے ہیں
جو بہ ظاہر اب اس عالم آب وگل میں نہیں ہیں
مرے روز وشب
اُن کے فکر ونظر کی مہک سے مُعطّر ہیں
اُن کا سُخن میری روئیدگی سینچتا ہے
پُرانے زمانوں میں جینا بھی کیا تجربہ ہے (۲)

مُعین نظامی کے تجربات خالصتاً صوفیانہ ہیں اور ان کا اظہار اُنھوں نے نہایت خوبصورتی سے فارسی آمیز انداز میں کیا ہے۔ اُن کے ذوقِ سلیم کی داد دینا لازم ہے کہ فارسی زبان کے اس ذوق اور غیر معمولی خوبصورت الفاظ کے چُناؤ میں عہدِ جدید کے کسی اور شاعر کو اُن کا شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مُعین

نظامی کی نظموں کے مجموعے متــروک کا مطالعہ کیا جائے تو ایک ٹھہراؤ، متانت کے ساتھ ساتھ تھکن اور گرانباری کا احساس ہوتا ہے۔ یہ تھکن صدیوں کی تھکن ہے۔ کئی زمانوں پر مُحیط ہے۔ ان کے یہاں فارسیت شعوری طور پر نظم کے آہنگ کو نرم خرام اور بوجھل بنانے کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ ان کی نظموں میں غیر معمولی ٹھہراؤ، نفاست و متانت اور بے تکلفی و روانی کے باعث ان پر نثری نظموں کا گمان گزرتا ہے۔ آزاد نظم کی ہئیت و ترتیب و ترکیب میں انسان کی مجبوری و بے بسی کی کہانیاں ایک طویل تر مذہبی و تہذیبی اور ثقافتی سیاق میں انتہائی دردمندی سے بیان کی گئی ہیں۔

مُعین نظامی کی نظموں کی ایک اور بہت بڑی اور منفرد خوبی ان کا ڈرامائی انداز ہے۔ ان کی نظمیں نظم کے بجائے ڈرامائی مکالمے معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے اختر الایمان کے یہاں ڈرامائیت اور مونتاج کی تکنیک ملتی ہے۔ آج کے موجودہ دور میں یہ تکنیک و تجربہ کسی اور شاعر کے یہاں دکھائی نہیں دیتا۔ ان کی نظم ''آتش زیرِ خاکستر'' مُلاحظہ کیجیے:

تکبّر کی مسند پہ بیٹھے ہوئے
ایک اہلِ قبیلہ کے کندھوں سے
شرِ حکومت کے سانپوں نے جب سر نکالا
تو کُچھ خیر خواہانِ دربار کی مشورت سے
طبیبانِ شاہی نے
مارانِ شانہ نشیں کو
مرے جیسے خانہ نشیں کی خموشی کا بھیجا کھلانے کی تجویز دے دی
وہ سب یہ سمجھتے تھے شاید مرے باپ کا تیشۂ لفظ
اب زنگِ فرسودگی کے سبب سے
رعُونت کے سانپوں کا سر کاٹ دینے کے قابل نہیں ہے
مگر باپ کا تیشۂ لفظ

جب اپنے بیٹے کے ہاتھوں میں آ کر چمکنے لگا
تو سبھی دیکھنے والی آنکھوں نے دیکھا
کہ مسند بچی ہے، نہ مسند نشیں ہیں
جو خانہ نشیں تھے، وہیں کے وہیں رہے (۳)

مُعین نظامی کی نظمیں فرد، سماج، تہذیب اور کائناتی حوالوں سے شعورِ زیست کی تڑپ سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے ذات، کائنات اور خالقِ کائنات کے اتصال سے جنم لینے والی اکائی کو اپنے فن کا جواز ٹھہرایا ہے۔ ''مُناجات'' میں خود کو ایک فرد یعنی ایک قافلہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے انوکھی سوغات طلب کرتے ہیں:

میں شہرِ جُنوں کو جانے والا
اِک فرد ہوں یعنی ایک قافلہ ہوں
سوغات کوئی مجھے عطا ہو
جو زُورِ زمیں پہ کم نُما ہو
اِن پانچ حسوں سے ماورا ہو (۴)

نظم ''الٰہی نامہ'' میں اللہ تعالیٰ کے مرحمت کردہ اطاعت کے کفن میں استقامت کے احاطے میں وہ اپنی تدفین کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ نظم ''دُعا'' میں عبد کا اپنے معبُود کے ساتھ رشتۂ اُلفت و محبت قابلِ دید ہے:

میں کہ دریوزہ گرِ نُورِ ازل ہوں
کب سے

جسمِ بے رُوح کی صُورت ہوں
فقط بارزِ میں
اے مری جلوت وخلوت کے امیں
شافی وکافی
میرے جلتے ہُوئے سینے میں بھی ٹھنڈک اُترے
جسم کی شاخ پہ
رحمت کے پرندے چہکیں (۵)

متروک کی نظموں میں مُعین نظامی نے جن موضوعات کو اپنی شاعری کی بنیاد بنایا ہے، وہ اُن کی انفرادیت کی شناخت کا نہایت مُستحکم حوالہ بنتے ہیں۔ اِن نظموں میں انسان کی فردیت کے احساس کی کیفیات، تہذیبی شعور کے تجربات، تاریخی اثرات اور حالات و واقعات کو جس سچّائی اور دردمندی سے نظم کیا گیا ہے وہ معاصر شعری منظرنامے میں بے حد مُنفرد چیز ہے۔ اُنھوں نے ازل سے تا حال انسانی نفس کی ہزیمتیں، تاریخی ندامتیں، سماجی رُسوائیاں، تاریخ اور انسانیت کے اندوہ ناک تجربات اور ذلتوں کو اپنے احساس کے توازن اور آہنگ کے زیر و بم کی مدد سے کس قدر عُمدگی سے بیان کر دیا ہے، یہ محض مُعین نظامی سے ہی خاص ہے۔ نظم ''اقلیما سے ایک سوال'' میں ابنِ آدم کی اشتعالِ ہوس کی نہایت کی داستانِ ندامت کے اظہار پر انجام پذیر ہوتی دکھائی گئی ہے۔ اساطیری روایات وتلمیحات وعلامات کے ضمن میں ''بغداد میں''، ''زُبیدہ تُم کہاں ہو؟''، ''مُجھے بغداد کہتے ہیں'' اُن کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ اُن کا درد اجتماعی و آفاقی نوعیت کا ہے۔ ''ایک ادھ جلی نظم'' میں گھر جل جانے کے بعد صرف وہی خاکسترِ خواہش باقی رہ جاتی ہے جو پُشتوں سے اُن کے اجداد کی میراث ہے۔ اور وہ سوختہ سامانی کی حالت میں اپنی اس میراثِ شُعلہ بُرد کے مالک ہیں اور گھر کے درد آلُودہ در و دیوار اُن کا دُکھ سمجھتے اور اُن کی تعظیم کرتے ہیں۔

مُعین نظامی کو احساس ہے کہ کشاکشِ ہجومِ خواہشات میں غدر مچنے سے کاخ وکُوئے کبر ہم سے چھٹ

گئے ہیں۔ کئی صدیوں پر مُحیط عنانِ حکومت پر ہماری گرفت ڈھیلی پڑ چکی ہے۔ ہم جو ہزار پُشت کے نجیب تھے، اپنے تاج وتختِ تمکنت کے اہل بھی نہیں رہے اور فریبِ خدّ وخالِ مہ وشاں میں آ کے رزیل ہو کر رہ گئے ہیں:

وہ ہم کہ کج کلاہِ خودسری تھے
اور اب
ہماری ہی سبک سری کی کوئی حد نہیں
کہ نوبتِ گدائی نگاہِ التفات آ گئی
ہمیں یہ دن بھی دیکھنا پڑا
کہ ہم سے بے نیاز بھی
فسادِ احتیاج میں ذلیل ہو کر رہ گئے (۶)

مُسلمانوں کے عروج وزوال کی طویل داستان کس قدر عُمدگی سے ایک مختصر سی نظم کے دامن میں سمو دی گئی ہے۔ اپنی نظم ''ملامت کے چھینٹے'' میں مُعین نظامی بتاتے ہیں کہ قبائے دل وجاں پر جتنے ملامت کے چھینٹے پڑے ہیں وہ شب وروزِ برزخ میں تمام ماہ وخورشید کی صُورت جگمگائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور رحمتِ دو عالم کی سفارش کے طفیل میرے دامنِ تر کے قطرے، میرے دفترِ بے گناہی کی تمہید ہوں گے۔

جب اعمال نامہ کُھلے گا
تو میرے جوارح
مرے حق میں بولیں گے
اور اُس گھڑی
آسمانوں کے سارے فرشتے
مرے سامنے محوِ تمجید ہوں گے (۷)

مُعین نظامی کے یہاں انسان کی کہانی لفظوں کے جگنوؤں کی صُورت ٹمٹماتی ہے۔ ان لفظوں کی تہہ میں ہمیں سر پٹکتی ہوئی بازگشتِ دردِ دُنیا اور غمِ دل کی آہیں بھی سُنائی دیتی ہیں۔ اُن کی نظموں میں محبوبِ حقیقی سے جُدائی دلِ ناتواں پر گراں گزرتی محسوس ہوتی ہے۔ آتشِ عشق دل میں مُسلسل ہلکی ہلکی چٹکیاں لیتی رہتی ہے، ایک ازلی اُداسی اور بے چینی من کو بے کل و ناشاد کیے رکھتی ہے۔ ''گلابی دِن کے لیے'' مُلاحظہ کیجیے:

گلابوں پر مشیّت کا اجارہ ہے
مشیّت جانتی ہے کون سے افسُردہ پُھولوں سے
مزاروں کو سجانا ہے
مشیّت جانتی ہے کون سی خوش بخت کلیوں کو
مِلن کی ساعتوں میں مُسکرانا ہے
ہمارے سامنے حدِ نظر تک غنچہ وگل ہیں
مراسم کی ہوا پیغام لاتی ہے
جسے ہم پڑھ نہیں سکتے
مشیّت جانتی ہے اُس گلِ نورس کو
جو دشتِ تعلّق میں تہِ دل سے ہمارا ہے (۸)

اور ایسے میں یہ درد ذاتی حدود سے آگے بڑھتے ہوئے اجتماعی آفاقی وسیع دوائر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اُن کی نظم ''کہانی'' اُن کی اپنی آپ بیتی کا رنگ لیے ہوئے ہے مگر دراصل یہ آج کے عہدِ جدید کے انسان کا المیہ ہے جو اجتماعی نوحہ گری کی صُورت تشکیل پذیر ہوا:

اور اُن مخفی صداؤں کے
ہجومِ بے کراں میں

کھلکھلاتے قہقہے بھی تھے
بناوٹ کے، سجاوٹ کے، حقیقت کے
دیارِ غیر میں اپنے تلف ہوتے ہوئے
احساس کی شمعِ فروزاں کی
بہت شائستہ، آداب آشنا اور نرم لرزش بھی
مُہذّب سی کسک بن کر
مثالِ نقشِ فریادی دکھائی دی (۹)

نظم ''ہم اور وقت'' میں آج کے انسان کی بے بسی دیکھیے:

ہماری چاک دامانی سے گرتا
یہ اذیّت کا بُرادہ
شیشۂ ساعت سے چپکا ہی رہے گا
اور گھڑی
اِک گھنٹہ آگے ہو کہ پیچھے
کُچھ نہیں ہوگا (۱۰)

مُعین نظامی کی نظموں ''جذب'' اور ''نیند نہیں آتی'' میں تحت الشعوری اذیّت گرہ در گرہ دکھائی دیتی ہے جو خود اُن پر بھی واضح نہیں:

نیند آتی نہیں
نیند آئے بھی کیا

میرے اطراف میں اُلجھنیں اِس قدر ہیں
کہ میں اُن کے گرداب میں غوطہ زن
رات کے طفلِ گُم گشتہ کی اُنگلی تھامے
اُسے مادرِ صُبح تک چھوڑ آتا ہوں
اور مُجھ کو درپیش یہ مسئلہ
اتنا سادہ بھی ہرگز نہیں ہے
کہ جتنا بہ ظاہر مری نظم کی ابتدا میں نظر آ رہا ہے
یہ تحت الشعوری اذیّت گرہ در گرہ ہے
مجھی پر جو واضح نہیں ہے
تو اوروں پر کیا منکشف ہو سکے گی (۱۱)

''اِس شہرِ نفاق میں'' مُعین نظامی کہتے ہیں کہ:

اِس شہرِ نفاق میں ہمیشہ
عشاق ریا نفور سارے
بے کار گئے تو ایک ہم کیا
ہم طائرِ باغِ باصفا تھے
بال و پرِ دل کو اِس فضا میں
پرواز کا تجربہ نہیں تھا
اِس حال میں، جانِ جاں! ہمارے
پر کُھل نہ سکے تو اِس کا غم کیا (۱۲)

نظم ''آواز کی نوحہ خوانی کیجیے'' میں عزائے حرفِ اظہار برپا ہے اور شاعر آواز کی نوحہ خوانی

کرتا دکھائی دیتا ہے۔''لاانتہا'' میں مُعین نظامی کی آنکھیں ظاہری بصارت کی حد سے آگے بصیرت کے دائرے میں چیزوں کو اُن کے اصل تناظر میں دیکھ سکنے کے قابل دکھائی دیتی ہیں۔نظم ''قاضی القضات'' میں زمانے کے حُکمران کے سامنے جھکنے سے انکار کر دینے والی انصاف کی علامت کی صدائیں زمانے کے گُنبد میں آج بھی گُونجتی محسوس ہوتی ہیں۔خلیل جبران نے معبد میں گھٹنے ٹیکتے ہوئے یہ دُعا کی تھی کہ اے پروردگار! مُجھے اپنے عشق کی آگ میں جلا کر راکھ کر دے۔ مُجھے اِس بھڑکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنا۔ مُعین نظامی ''آتش کدہ'' میں اسی آرزو کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں:

آگ جلتی ہے اور جلاتی ہے
یہ صفت اُس کا وصفِ ذاتی ہے
راگ کا بھی یہی مُعاملہ ہے
نغمہ بھی سوز کا مُکالمہ ہے
اے مری آگ! مُجھ کو ہاتھ لگا
اے مرے راگ! مُجھ کو راکھ بنا (۱۳)

وہ اپنے دُنیا میں رہتے ہوئے طالبِ دُنیا نہ ہونے کو خود پر اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص سے تعبیر کرتے ہیں اور نبی پاکؐ کی اتباع وعقیدت اور اُمیدِ چشمہ رحمت آخری سفر کے دیے کی صورت ہمراہ رکھتے ہوئے کہتے ہیں:

کل مُجھ پہ کیا گزرتی ہے، مُجھ کو خبر نہیں
اِس وقت تک تو دُنیا کا دل پر اثر نہیں (۱۴)

متـــــروک میں مُعین نظامی کے یہاں روایتی رُومانوی عشقیہ تجربات کا زیادہ حوالہ نہیں ملتا

کیونکہ اُن کے بقول دورِ آغاز سے ہی مُحبت اُن کے سلسلے میں کسی خاص موقف پر قائم نہیں ہو سکی۔لہٰذا وہ کہتے ہیں:

بہت سے چاند چہرے یاد آتے ہیں
جو میرے مطلعِ خواہش پہ چمکے تھے
اور اِک اِک کر کے گہناتے گئے تھے
کہ یہ گردش کی وہ مولائی سُنّت ہے
کہ جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی
بس اِک دُھندلا سا چہرہ ہے
کہ جس کی ٹمٹماتی ضو
ابھی تک
دوستی کی تیرہ روزی میں بہت پُرعزم ہو کر آتی جاتی ہے
مگر کب تک
کہ یہ چہرہ تو پھر بھی چاند جیسا ہے
اگر سُورج بھی ہوتا
تو بالآخر ڈوب ہی جاتا
اور ان ڈوب جانے والی چیزوں سے
کوئی رغبت نہیں دل کو (۱۵)

مُعین نظامی کی شاعری میں زرد رنگ، کبوتروں، خوشبوئے مزار، بُلبُلوں، درختوں کا ذکر ملتا ہے۔یہ سب کُچھ تصوّف اور رُوحانیت کا علامیہ ہیں۔وہ مُقدّس درختوں سے اپنے دیرینہ تعلّق کا اظہار کرتے اور خصوصاً برگد کے درخت کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔وہ کیکر کے پُھولوں کی خوشبو

کے عاشق ہیں۔ ون اور پیپل کے درختوں سے مل کر اُنھیں یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ اُن کے بزرگوں کے احباب ہیں۔

مُعین نظامی نے آزاد نظم کی ہیئت میں رُوحانی، سماجی انسانی تاریخ وثقافت کے ایک پُورے عہد کو اپنے سیاق وسباق کے ساتھ مُختلف تجربات (فارسی لب و لہجے اور ڈرامائی انداز) کے ساتھ کمال خوبی سے آمیز کر دیا ہے۔ اِن خوبصُورت اور نفیس نظموں کے پردے میں انتہائی خوبصُورت اور نفیس شخصیت کے مالک شاعر کا صدیوں پُرانا مذہبی وتہذیبی اور تاریخی وثقافتی شعُور دکھائی دیتا ہے۔ مُعین نظامی کا کلام موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کی تہذیب وترتیبِ نفس اور روحانی واخلاقی اقدار کی بہتری کے لیے روشن رہنما ستارے کی صُورت ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔

کتاب کے آغاز میں معین نظامی کی شاعری کی مختلف جہات پر شمس الرحمٰن فاروقی، سیّد نعمان الحق اور مبین مرزا کی قابل قدر آرا بھی شامل کتاب ہیں۔

حوالہ جات

* طاہرہ صدیقہ، پی ایچ ڈی اسکالر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔

(۱) معین نظامی، متروك (لاہور: نگارش پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ۴۸۔

(۲) نظامی، ۵۷۔

(۳) نظامی، ۶۹-۷۰۔

(۴) نظامی، ۲۵۔

(۵) نظامی، ۲۸۔

(۶) نظامی، ۸۸۔

(۷) نظامی، ۸۵۔

(۸) نظامی، ۷۴۔

(۹) نظامی، ۱۱۵۔

(۱۰) نظامی، ۷۵۔

(۱۱) نظامی، ۱۲۱۔

(۱۲) نظامی، ۸۶۔

(۱۳) نظامی، ۱۴۷۔

(۱۴) نظامی، ۱۶۲۔

(۱۵) نظامی، ۹۹-۱۰۰۔

کتابیات

نظامی، معین۔ متروك۔ لاہور: نگارش پبلشرز، ۲۰۱۰ء۔